شبِ براءت کی حقیقت

احادیثِ مبارکہ اور محققین علماءِ امّت کے اقوال کی روشنی میں

مولانا فضل الرحمٰن اعظمی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	شبِ براءت کی حقیقت	۷
۳	بدنصیب لوگ	۱۴
۴	شبِ براءت کی خصوصیت	۱۵
۵	ہر رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت	۱۵
۶	شبِ براءت میں قبرستان جانا	۱۷
۷	شبِ براءت میں کوئی خاص نماز ثابت نہیں	۱۹
۸	پندرہویں شعبان کا روزہ ثابت نہیں	۲۰
۹	شعبان کے روزے ثابت اور سنت ہیں	۲۲
۱۰	شبِ براءت اور قرآنِ کریم	۲۳
۱۱	شبِ براءت کے منکرات اور بدعات	۲۵
۱۲	ایک تنبیہ	۲۷
۱۳	میرے مؤقف کی سرگذشت	۲۸

۱۴	پندرہ شعبان کا روزہ	۳۲
۱۵	ابوبکر بن ابی سبرہ پر تفصیلی کلام	۳۲
۱۶	تنبیہ	۳۴
۱۷	مؤلف مدظلہٗ کے مختصر حالات	۳۵

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتِمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امابعد! اللہ تعالیٰ نے اپنے بے انتہا فضل ورحمت اور بندوں پر شفقت کی وجہ سے کچھ خاص مواقع ایسے عنایت فرمائے ہیں جن میں بندوں کو مغفرت ورحمت اور ثواب حاصل کرنے کا سنہرا موقع حاصل ہوتا ہے۔

ان موقعوں میں جس طرح رمضان مبارک اور شبِ قدر ہے، ایک موقع پندرہویں شعبان کی رات بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار لوگوں کی مغفرت کا ذکر روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ اسی لئے اس رات کو لیلۃ البراءت کہتے ہیں، یعنی جہنم اور عذاب سے چھٹکارے اور خلاصی کے فیصلہ کی رات۔

شبِ براءت کی فضیلت میں جو روایات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں اکثر کا ضعف معلوم ہے مگر چوں کہ وہ متعدد ہیں، اور بعض کا ضعف ہلکا ہے اس لئے ان کے مجموعہ

سے اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یہی بات علماء محققین نے بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوگی۔

لیکن بہت غلط سی باتیں بھی شبِ براءت کے متعلق کتابوں میں لکھی گئی ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں، علماء محققین نے ان کی تردید کی ہے، اس کتاب کا مقصد صحیح اور غلط میں تمیز پیدا کرنا ہے، اصل چیز شریعت میں کتاب وسنّت اور صحابۂ کرامؓ کی زندگی ہے، جو چیز یہاں سے ملتی ہو اس کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے، اور جو باتیں بے اصل ہیں ان کو چھوڑ دینا چاہیے، تفسیر واحادیث دونوں فنون میں محققین کی تحقیقات موجود ہیں۔ ان سے خود فائدہ اُٹھانا چاہئے اور لوگوں کو بھی فائدہ پہونچانا چاہئے۔ اسی مقصد کے لئے یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچائے اور مؤلف کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین!

فضل الرحمٰن اعظمی
مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول
۲۶ رجمادی الثانی ۱۴۱۳ھ
۲۱ ردسمبر ۱۹۹۲ء بروز پیر

شبِ براءت کی حقیقت

(۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں، یعنی چودھویں اور پندرہویں شعبان کی درمیانی رات میں اپنی تمام مخلوقات کی طرف توجہ فرماتے ہیں، مشرک اور دشمنی رکھنے والے کے سوا مخلوق کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (طبرانی نے اوسط میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے اس کو روایت کیا) (الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۱۸، جلد ۳ صفحہ ۴۵۹)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں اپنی مخلوق کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اپنے بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں، سوائے دو کے، (ایک) دشمنی رکھنے والا (دوسرا) کسی (نفسِ محترم) کو قتل کرنے والا اس کو امام احمد نے نرم سند کے ساتھ روایت کیا۔

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۶۰)

(۳) مکحولؒ نے کثیر بن مرّہؒ سے نقل کیا انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپؐ نے فرمایا، پندرہویں شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ زمین والوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

مشرک اور دشمنی رکھنے والے کی مغفرت نہیں فرماتے، بیہقی نے اس کو روایت کیا اور فرمایا کہ عمدہ مرسل[1] ہے۔ (الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۶۱)

(۴) مکحولؒ نے ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں اپنے بندوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں، پھر مومنین کی مغفرت فرماتے ہیں، اور کافروں کو چھوڑ دیتے ہیں، (یعنی ان کی سزا کو مؤخر کرتے ہیں) اور دشمنی کرنے والوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دشمنی کو چھوڑ دیں، اس کو طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا، بیہقی نے فرمایا یہ بھی مکحول اور ابوثعلبہ کے درمیان عمدہ مرسل (یعنی منقطع) ہے۔ (الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۶۱)

(۵) علاء بن حارثؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ایک رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے، نماز پڑھی اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ میں نے سمجھا آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ یہ دیکھ کر میں اُٹھی اور آپؐ کے انگوٹھے کو حرکت دی، تو آپؐ ہلے اور واپس ہوئے جب آپؐ سجدہ سے اُٹھے اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اے عائشہ یا فرمایا اے حمیراء کیا تم نے یہ سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ بیوفائی کی غدّاری کی، میں نے کہا نہیں۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم۔ لیکن میں نے یہ سمجھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے کہ آپ نے سجدہ طویل کیا، آپؐ نے فرمایا۔ جانتی ہو یہ کون سی رات ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اور مغفرت طلب کرنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں، اور دشمنی رکھنے والوں کو مؤخر کر دیتے ہیں ان کی حالت پر، اس کو بھی بیہقی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ بھی جید مرسل ہے اور شاید علاء نے مکحول سے سُنا ہو۔

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۶۲)

---

[1] مرسل ایسی روایت کو کہتے ہیں جس میں تابعی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کو نقل کریں ایسی روایت امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے یہاں قبول ہوتی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے یہاں بھی جبکہ اس کی تائید کسی دوسری اور روایت سے ہوتی ہو، اور یہاں ایسا ہی ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے سُنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دُعا پڑھ رہے تھے۔ اَعُوْذُ بِعَفوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لاَ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

ترجمہ: اے خدا میں تیری سزا سے تیری عفو کی پناہ میں آتا ہوں، اور تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں، تیرے (عذاب) سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں تیری پوری تعریف نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی۔ (الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، اپنے دونوں کپڑے اُتارے (اور لیٹے) پھر ابھی پورا آرام بھی نہیں فرمایا کہ اُٹھے اور دونوں کپڑے پہن کر (چل دیے) مجھے بہت غیرت لاحق ہوئی، میں نے سمجھا کہ اپنی دوسری کسی بیوی کے یہاں تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے چلی۔ آپؐ کو بقیع (مدینہ کے قبرستان) میں پایا، آپ مومن مردوں، عورتوں اور شہداء کے لئے دُعاء مغفرت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے جی میں کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپ اپنے رب کی حاجت میں ہیں اور میں اپنی ضرورت میں ہوں، میں واپس کمرہ میں آئی، میرا سانس چڑھ رہا تھا۔ آپؐ بھی میرے بعد تشریف لائے اور پوچھا۔ اے عائشہ یہ تیرا سانس کیوں چڑھ رہا ہے؟ میں نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم ڈر رہی تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے، میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے بال کے برابر لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتے ہیں۔ لیکن مشرک، دشمنی رکھنے والے، رشتہ کو کاٹنے والے، ازار کو ٹخنہ سے نیچے لٹکانے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، شراب کی عادت والے کی طرف نہیں دیکھتے، پھر آپؐ نے اپنے دونوں کپڑے اُتارے اور مجھ سے فرمایا۔ مجھ کو اجازت دیتی ہو کہ میں اس رات میں قیام کروں، میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، پھر آپؐ کھڑے ہوئے (نماز پڑھنے

لگے) رات میں لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ آپؐ کی روح قبض ہوگئی۔ میں اُٹھی اور آپؐ کو تلاش کرنے لگی (اس لئے کہ کمرہ میں چراغ نہ رہا ہوگا) میرا ہاتھ آپؐ کے قدموں کے باطنی حصہ پر پڑا تو آپؐ نے حرکت کی اس سے مجھ کو خوشی ہوئی۔ میں نے سُنا آپؐ سجدہ میں کہہ رہے تھے (وہی دُعا جو حدیث نمبر ۵ میں گذری) صبح کو میں نے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا اس دُعا کو سیکھو اور سِکھاؤ، جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو یہ کلمات سکھائے ہیں۔ اور مجھ سے کہا ہے کہ سجدہ میں، میں اِن کو دُہراؤں۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا۔ (الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۶۰)

یہ روایت بھی ضعیف ہے اس لئے کہ حافظ منذری نے اس روایت کو رُوِیَ سے ذکر کیا اور آخر میں کوئی کلام نہیں کیا اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اسناد ضعیف کی دو پہچان ہیں۔ ایک لفظ رُوِیَ سے اس کو شروع کرنا دوسرے آخر میں کلام نہ کرنا (دیباچہ ترغیب وترہیب صفحہ ۳۷) درمنثور میں لکھا ہے کہ بیہقی نے اس کی تضعیف کی ہے (درمنثور جلد ۱ صفحہ ۲۷) غالباً یہی روایت ترمذی میں مختصراً اس طرح مروی ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (سو کر اُٹھنے کے بعد) نہیں پایا۔ میں باہر نکلی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم ڈر رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے (یعنی تمہاری باری کے دن دوسری بیوی کے پاس چلے جائیں گے) میں نے کہا۔ یا رسول اللہ میں نے سمجھا کہ آپ دوسری بیوی کے یہاں تشریف لے گئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں (یہ اُترنا اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوتا ہے) اور بنو کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ مغفرت فرماتے ہیں۔

(ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ مع العرف الشذی، طبع کراچی)

امام ترمذی نے فرمایا کہ امام بُخاری نے اس حدیث کو ضعیف بتایا۔[1] (ایضاً) یہ

۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی حجّاج بن ارطاۃ ہیں، جو ضعیف ہیں، اور انہوں نے یحیٰی بن ابی کثیر سے اس حدیث کو سنا نہیں ہے۔ اس لئے منقطع بھی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یحیٰی بن ابی کثیر نے بھی عروہ ابن الزبیر سے نہیں سنا۔ (ترمذی صفحہ ۱۵۶)

روایت اسی سند سے ابنِ ماجہ میں بھی ہے (صفحہ ۹۹)۔ رزین نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ایسے لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے جو جہنم کے مستحق تھے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۵)

(۷) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں توجہ فرماتے ہیں اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے سوا تمام مخلوق کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (ابن ماجہ صفحہ ۹۹) یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔[1]

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب پندرہویں شعبان کی رات ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروب آفتاب ہی سے قریبی آسمان پر نزول فرماتے ہیں (اپنی شان کے مطابق) اور فرماتے ہیں۔ کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں اور کوئی روزی کا طالب ہے کہ میں اس کو روزی دوں، کوئی مصیبت میں مبتلا ہے کہ میں اس کو عافیت دوں اسی طرح اور بھی اعلان فرماتے ہیں اور یہ صبح تک جاری رہتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۹۹) اس کو بیہقی نے بھی، شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (درمنثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۲۶) یہ روایت بہت ضعیف ہے[2] بلکہ بعض لوگوں نے موضوع کہا ہے۔

(۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں پھر ہر

۱؎ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف راوی ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۳) نیز ضحاک کا حال معلوم نہیں اور انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے سُنا نہیں ہے۔ (فیض القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

۲؎ اس کی سند میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے، ان کے نام میں اختلاف ہے ان پر وضع حدیث کا الزام لگایا گیا ہے۔ (تقریب للحافظ ابن حجر صفحہ ۳۹۶) امام احمد نے فرمایا یہ حدیث وضع کرتا ہے۔ نسائی نے کہا متروک ہے۔ ابن معین نے کہا اس کی حدیث کچھ نہیں ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے (میزان الاعتدال للذھبی جلد ۴ صفحہ ۵۰۳) اس لئے یہ حدیث بہت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں بھی ایسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاتا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اس لئے اس روزہ کو سُنّت سمجھ کر نہیں رکھ سکتے ہیں، نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

چیز کی مغفرت فرماتے ہیں، سوائے مشرک آدمی کے اور اس کے جس کے دل میں دشمنی ہے۔

(درمنثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۲۶ و میزان جلد ۲ صفحہ ۶۵۹)

حافظ منذری نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بزّار اور بیہقی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کلام ہے۔[1]

(الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۴۵۹)

(۱۰) عثمان ابن ابی العاص سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں، کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو دوں۔ چنانچہ ہر سائل کو دیتا ہے سوائے اس عورت کے جو زانیہ ہو اور سوائے مشرک کے، اس کو بیہقی نے روایت کیا۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۷)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تھے، میرے یہاں رہنے کی باری تھی، رات کے درمیان میں نے آپؐ کو نہیں پایا تو مجھے غیرت آئی جو عورتوں کو لاحق ہوا کرتی ہے۔ میں نے اپنی چادر لپیٹ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی بیویوں کے کمروں میں تلاش کرنا شروع کیا، لیکن کہیں نہیں ملے۔ میں اپنے کمرے میں واپس ہوئی تو آپؐ کو دیکھا سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور سجدہ میں یہ فرما رہے ہیں۔ سَجَدَ لَكَ خَيَالِىْ وَسَوَادِىْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِىْ فَهٰذِهٖ يَدِىْ وَمَا جَنَيْتُ بِهَا عَلٰى نَفْسِىْ يَا عَظِيْمُ يُرْجٰى لِكُلِّ عَظِيْمٍ اِغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ سَجَدَ وَجْهِىْ لِلَّذِىْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ۔ پھر سر اُٹھایا اور دوبارہ سجدہ میں گئے اور فرمایا۔ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَخِىْ دَاؤُدُ اَعْفِرُ وَجْهِىْ فِى التُّرَابِ لِسَيِّدِىْ وَحُقَّ لَهٗ اَنْ يُسْجَدَ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ قَلْباً تَقِياً مِنَ الشَّرِّ نَقِيًّا لَا جَافِياً وَلَا شَقِيًّا پھر نماز سے فارغ

[1] اس کی سند میں مجہول راوی ہیں اور انقطاع ہے۔

ہو کر میرے ساتھ چادر میں سو گئے میرا سانس چڑھ رہا تھا تو فرمایا۔ اے حمیراء یہ کیسا سانس ہے۔ میں نے بتایا تو اپنے ہاتھوں سے میرے گھٹنوں کو سہلایا اور فرمایا، ان ٹانگوں نے اس رات بہت زحمت اُٹھائی، یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور اپنے بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں، مشرک اور دشمنی رکھنے والوں کو چھوڑ کر، اس کو بیہقی نے روایت کیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۷) اس روایت کا حال معلوم نہیں۔

فائدہ (۱): شبِ براءت کی فضیلت میں جتنی روایات وارد ہوئی ہیں ان میں کوئی بھی ایسی نہیں جو کلام سے خالی ہو، مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں **ولم اقف علی حدیثٍ مُسنَدٍ مرفوعٍ صحیحٍ فی فضلها۔**

(معارف السنن جلد ۵، صفحہ ۴۱۹)

ابن دحیہ محدث نے بھی فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے اور نہ سچے راویوں نے اس میں کسی خاص نماز کو ادا کیا ہے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد ۲، صفحہ ۳۱۷)

تاہم چونکہ ضعیف روایات کئی ایک ہیں اور متعدد صحابہ سے مروی ہیں، بعض کی سند میں زیادہ کلام نہیں، بعض کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں جگہ دی، بعض کی سند کو منذری نے لابأس بہ فرمایا اس لئے محدّثین کے اصول کے مطابق مجموعۂ احادیث سے شبِ براءت کی فضیلت ثابت مانی جائے گی یہی بات عام طور پر محدّثین اور فقہاء میں مشہور ہے، اور یہی حق ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ جو عام طور سے ایسی چیزوں کا انکار کر دیتے ہیں وہ بھی شبِ براءت کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں، نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں اتنی احادیث اور آثار مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو فضیلت حاصل ہے، اور بعض سلف نے اس رات کو نماز کے لئے خاص کیا ہے۔

(فیض القدیر جلد ۲، صفحہ ۳۱۷)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں، یہ احادیث اپنے مجموعہ کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف حجّت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں کچھ ثابت نہیں۔

(تحفۃ الاحوذی جلد ۲، صفحہ ۵۳)

اس لئے بعض متشددین کے قول سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے اور اس رات سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق وھو نعم الوکیل۔

فائدہ (۲): ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو فضیلت اس رات کی ہے وہ یہ ہے کہ شروع رات ہی سے اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں، اور توبہ کرنے والوں، استغفار کرنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھے، اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائے۔ گناہوں سے باز رہنے کا اللہ کی بارگاہ میں عہد کرے، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب بنے، اپنے لئے بھی، تمام مسلمانوں کے لئے مُردوں اور زندوں کے لئے بھی دُعائے مغفرت کرے اور اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت فرمادیں گے، اور رحم فرمائیں گے۔

بدنصیب لوگ

حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس مبارک رات میں بھی کچھ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتے ہیں۔ وہ ہیں مشرک، دشمنی رکھنے والے، شراب پینے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، لُنگی، پائجامہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے، زنا کرنے والے، محترم نفس کو قتل کرنے والے، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والے۔ اس لئے ہر مسلمان خیال کرے کہ ان گناہوں میں سے کوئی بھی گناہ اس کے اندر ہو تو خصوصیت سے اس سے توبہ کرے اور مغفرت کی دعا کرے، ورنہ یہ مبارک رات جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مغفرت کی بارش ہوتی ہے، آ کر چلی جائے گی، اور وہ اسی طرح محروم رہے گا، اگر کسی کا حق دبایا ہے اور ستایا ہے، تکلیف دی ہے تو معافی بھی مانگے اور اس کا حق ادا کرے اس لئے کہ حقوق العباد کا ضابطہ یہ ہے کہ بندوں کے معاف کئے بغیر اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے جیسا کہ حدیثوں میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔

اللھم اغفرلنا و للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات
الاحیاء منھم والاموات

شبِ براءت کی خصوصیت

شبِ براءت کی خصوصیت یہ ہے کہ اولِ شب ہی سے مغفرت و رحمت کی بارش ہونے لگتی ہے اور صبح تک رہتی ہے اور بے شمار لوگوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا قریبی آسمان کی طرف نزول ہر رات ہوتا ہے لیکن صرف ثلث اخیر میں۔ مگر ہر رات اس کثرت سے مغفرت کا اعلان نہیں (یہ بات حافظ زین الدین عراقی نے کہی) (فیض القدیر جلد ۲، صفحہ ۳۱۷)

ہاں مگر یاد رہے کہ شبِ براءت کی روایات ضعیف ہیں اور ہر رات آخری تہائی حصہ میں نزول کی روایت بالکل صحیح ہے، اس لئے یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قدردانوں کے لئے ہر رات مغفرت و رحمت حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ہر روز یہ موقع گنہگاروں کو ملا کرے۔

اسی لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اُٹھ کر عبادت فرماتے تھے اور لمبی لمبی رکعات اور رکوع اور سجدہ والی نماز پڑھتے تھے، امت کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنّت کو ہر گز نہیں بھولنا چاہیے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

ہر رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اس کو دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ (بخاری جلد ۱، صفحہ ۱۵۳، مسلم جلد ۱، صفحہ ۲۵۸)

مسلم کی ایک روایت میں ہے پھر دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو قرض دے ایسی ذات کو جو نہ محتاج ہے نہ ظالم۔ صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۵)

عمرو بن عتبہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، تم سے اگر ہو سکے تو اس وقت اللہ کا ذکر کرو (ترمذی نے اس کو روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔) (مشکوٰۃ صفحہ ١٠٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں سو جاتے اور اخیر شب کو زندہ رکھتے (یعنی عبادت کرتے) الحدیث۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ١٠٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار پڑھتے تھے۔ مت پوچھو کتنی اچھی اور لمبی پھر۔ چار پڑھتے تھے مت پوچھو کتنی اچھی اور لمبی (یعنی بہت لمبی اور اچھی) پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے۔

(بخاری شریف جلد ١، صفحہ ١٥٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نماز پڑھتے کہ آپ کے دونوں قدم پھول جاتے، کبھی فرمایا کہ پھٹ جاتے، کہا جاتا کہ آپؐ اتنی کیوں محنت کرتے ہیں، آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں تو فرماتے، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری شریف جلد ١ صفحہ ١٥٢، جلد ٢، صفحہ ٧١٦) تہجد کی نماز میں وہ دُعا بھی ثابت ہے جو حدیث نمبر ۵ میں گزری یعنی **الھم انی اعوذ برضاك الخ**۔ (مسلم جلد ١، صفحہ ١٩٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو آخری حصہ میں اپنی بیویوں کو بھی اُٹھاتے تھے تا کہ وہ نماز پڑھیں، پھر وہ آیت تلاوت فرماتے جس کا ترجمہ یہ ہے "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر جمے رہو، ہم تم سے روزی نہیں مانگتے ہم تم کو روزی دیں گے اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔" اس طرح کی بہت سی صحیح روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپؐ رات کو نماز پڑھنے کا اہتمام فرماتے، صحابہؓ کو بھی آپؐ اس کی ترغیب فرماتے، صحابہؓ اس کا اہتمام کرتے۔ قرآن پاک میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔

شبِ براءت کی ضعیف احادیث کی وجہ سے اگر ہم عبادت کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا چاہیے تو تمام راتوں میں بھی ضرور اس کا اہتمام کرنا چاہیے اس لئے کہ ہر رات آخری حصہ میں میں اللہ تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے اور دُعا کے لئے بلایا جاتا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس کا اہتمام کرتے تھے۔ قرآن و حدیث میں اس کی ترغیب موجود ہے، کوئی عبادت محض رواجی طور پر نہیں کرنی چاہیے۔

شبِ براءت میں قبرستان جانا

مذکورہ روایات میں سے ایک دو روایت میں رات کو اُٹھ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان جانا بھی مذکور ہے، یہ بات بھی شبِ براءت کی خصوصیات میں سے نہیں بلکہ دوسری صحیح روایات سے بھی آپ کا رات کے آخری حصہ میں قبرستان جانا ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے یہاں رات کو رہنے کی باری ہوتی آخر رات میں بقیع (مدینہ کے قبرستان) جاتے اور یہ فرماتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَا تُوعَدُوْنَ غَداً مُؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ۔ (صحیح مسلم جلد ١، صفحہ ٣١٣)

یعنی اے مؤمنین کے قبرستان والو تم پر سلامتی ہو۔ تمہاری موت آگئی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا۔ کل (قیامت) کی طرف تم جا رہے ہو، ہم بھی تمہارے ساتھ انشاء اللہ مل جائیں گے۔ یا اللہ بقیع والوں کی مغفرت فرما۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ زیارتِ قبور اور قبر والوں کو سلام کرنا۔ اور ان کے لئے دُعائے مغفرت کرنا مستحب ہے۔ (ایضاً)

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی طرح کی تفصیل ذکر کرتی ہیں۔ جیسی شب براءت کے بارے میں گزری اور معلوم ہے کہ مسلم شریف کی سب روایتیں صحیح مانی جاتی ہیں۔

فرماتی ہیں کہ جب میری باری کی رات آئی جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے آپؐ تشریف لائے۔ اپنی چادر رکھی چپل نکال کر اپنے پاؤں کے پاس رکھ لئے۔ اپنی لنگی کا کنارہ بستر پر بچھایا پھر لیٹ گئے۔ اتنی دیر لیٹے رہے کہ سمجھا کہ میں سوگئی۔ پھر اپنی چادر آہستہ سے لی، اور آہستہ سے چپل پہنی اور آہستہ سے دروازہ کھولا پھر آہستہ سے اس کو بند کیا (اور چل دیے) میں نے بھی اپنے ازار اور کرتے کو پہنا، اوڑھنی اوڑھی اور آپؐ کے پیچھے نکلی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقیع گئے کھڑے رہے، اور دیر تک کھڑے رہے پھر اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ اُٹھایا پھر واپس ہوئے، میں بھی واپس ہوئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیز چلے میں بھی تیز چلی۔ آپؐ اور تیز ہوئے میں بھی اور تیز ہوئی۔ میں حضرتؐ سے پہلے اندر آگئی جیسے ہی میں لیٹی۔ آپؐ آگئے۔ پوچھا اے عائشہ کیوں تیرا سانس تیز چل رہا ہے، اور پیٹ اونچا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بتاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے بتائیں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں پھر میں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا تم ہی وہ شخص تھی جو آگے نظر آرہا تھا۔ میں نے کہا جی۔ پھر آپؐ نے میرے سینہ میں ایک گھونسا مارا جس کی چوٹ مجھے محسوس ہوئی۔ پھر فرمایا کیا تو نے یہ سمجھا کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا لوگ کسی بات کو جتنا ہی چھپائیں اللہ تعالیٰ آپؐ کو بتا ہی دیتے ہیں۔ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تم سے چھپا کر مجھے پکارا۔ میں نے بھی تم سے چھپا کر ان کو جواب دیا اور وہ اس وقت اندر نہیں آتے جبکہ تم اپنے کپڑے اُتار دیتی ہو، میں نے سمجھا کہ تم سوگئی ہو اس لئے اُٹھانا پسند نہیں کیا۔ اور خیال کیا کہ تم کو وحشت ہوگی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے رب آپ کو حکم دیتے ہیں کہ بقیع والوں کے پاس جاکر ان کے لئے دُعائے مغفرت کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا وہاں جاکر کیا کریں۔ آپ نے فرمایا یہ کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَ الْمُسْتَأْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔

اے مؤمن اور مسلم گھر والو تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے اگلے پچھلے لوگوں پر رحم فرمائے، انشاء اللہ ہم بھی تم سے جاملیں گے۔ (صحیح مسلم جلد ا، صفحہ ۳۱۴)

اس روایت میں شبِ براءت یا کسی خاص رات کا کوئی ذکر نہیں اور اس سے پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کی باری ہوتی تو آپؐ قبرستان تشریف لے جاتے۔ شبِ براءت میں قبرستان جانے کے ساتھ ہم کو دیکھنا ہے کہ ان صحیح حدیثوں پر ہم کتنا عمل کرتے ہیں۔

حضرت بُریدہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا (لیکن اب کہتا ہوں کہ) قبروں کی زیارت کیا کرو۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس سے موت کی یاد آتی ہے۔ (صحیح مسلم جلد ا، صفحہ ۳۱۴)

اس حدیث میں دن اور رات کی بھی کوئی قید نہیں، جب کسی کو موقع ہو قبرستان جانا چاہیے اور اپنی موت کو یاد کرنا چاہیے اور مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت ورحمت وغیرہ کرنی چاہیے۔

صرف شبِ براءت میں اس عمل کو کر کے سال بھر کی فرصت نہیں سمجھ لینی چاہیے۔ زیارتِ قبور کے لئے کسی خاص دن کی تخصیص، مثلاً جمعہ یا جمعرات کی کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اس لئے ایسی تخصیص کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔

شبِ براءت میں کوئی خاص نماز ثابت نہیں

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا۔ شبِ براءت کی فضیلت ثابت ہے، لیکن کتابوں میں جو منکر اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ (العرف الشذی مع الترمذی صفحہ ۱۵۶)

علامہ یوسف بنّوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں کہ ایسی روایات ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں ذکر کی ہیں، انہی کا اتباع امام غزالی نے کیا ہے اور انہی دونوں کی پیروی شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں کی ہے۔

حضرت علیؓ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جس میں سو رکعات کی ایک نماز بتائی گئی ہے۔ ابن الجوزی وغیرہ نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

(معارف السنن جلد ۵ صفحہ ۴۱۹)

امام ذہبی ابن عرّاق اور امام سیوطی، ملا علی قاری، وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ایسی نمازوں کی سخت تردید کی ہے، اس کی تفصیل جس کو دیکھنی ہو موضوعات کی کتابیں دیکھے۔

غنیۃ الطالبین اگرچہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے لیکن اس میں بہت سی باتیں بعد میں داخل کردی گئی ہیں۔ یہ بات امام ذہبی نے کہی ہے (تقریر مولانا شبیر احمد عثمانی شائع کردہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل صفحہ ۲۷۷) اس لئے یہ کتاب بھی معتبر نہیں رہی۔

احادیث کے باب میں محدثین کا قول معتبر ہوتا ہے، صوفیاء کرام اور واعظین کا نہیں، اس کی تصریح علماء حدیث نے کی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے شبِ براءت کی نمازوں کے بارے میں ایک خاص فصل قائم کی ہے اور ان کو ذکر کرکے ان کا بے اصل ہونا بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نمازیں چوتھی صدی کے بعد ایجاد ہوئی ہیں، اور بیت المقدس سے ان کی ابتداء ہوئی ہے۔ پھر ان کے لئے حدیثیں وضع کر لی گئیں۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۳۳۰، تذکرۃ الموضوعات للفتنی صفحہ ۴۵)

پندرہویں شعبان کا روزہ ثابت نہیں

بعض حضرات پندرہویں شعبان کے روزہ کو سنّت بتاتے ہیں، ان کو ابن ماجہ کی حضرت علیؓ کی روایت سے دھوکہ ہوا۔ یہ روایت معتبر نہیں۔ اور روزہ کا ذکر اسی روایت میں ہے۔ یہ حدیث نمبر ۸ ہے۔ اس کے حاشیہ میں ہم نے بتادیا ہے کہ اس میں ایک راوی ابن ابی سبرہ بہت ہی ضعیف ہے۔ اس پر حدیث وضع کرنے کا الزام ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی جلد ۴، صفحہ ۵۰۳) ایسی ضعیف روایت سے کسی عمل کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو اور وہ اصل عام کے تحت ہو اور یہ کہ اس کی سنّیت پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔

(درمختار مع الشامی جلد ۱ صفحہ ۸۷، طبع نعمانیہ)

علامہ شامی نے حاشیہ میں ضعف کے شدید ہونے کی دو مثال دیں کہ جس کا کوئی طریق کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو اور سیوطی سے یہ نقل کیا کہ اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے۔ (ایضاً)

اور یہ حدیث تو اشد ضعیف ہے، اور اس کا کوئی اور طریق بھی معلوم نہیں۔ اس لئے یہ روزہ نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں، سنت یا ثابت سمجھ کر نہیں۔ ورنہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے عمل کی نسبت ہوگی جو آپؐ سے ثابت نہیں۔ اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب تک تم کو معلوم نہ ہو میری طرف سے حدیث بیان نہ کرو جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵)

بیہقی نے شعب الایمان میں ایک راویت ذکر کی ہے۔ جس میں چودہ رکعت کی ایک نماز مذکور ہے۔ اس کے بعد ۱۴-۱۴ مرتبہ سورۂ فاتحہ، اخلاص، معوذتین، آیت الکرسی وغیرہ کا پڑھنا اور پھر صبح کو روزہ رکھنا اور اس روزہ کا ثواب دوسال کے روزوں کے برابر ہوتا ہے، بیہقی نے اس کو ذکر کرکے امام احمد کا قول ذکر کیا کہ یہ حدیث موضوع معلوم ہوتی ہے اور یہ منکر ہے اس میں عثمان بن سعید جیسے لوگ مجہول ہیں۔ (جن کا کچھ پتہ نہیں) (شعب الایمان للبیہقی جلد ۳، صفحہ ۳۸۷) [1] آلوسی نے بھی بیہقی کا یہ کلام ذکر کیا ہے۔ (روح جلد ۲۵، صفحہ ۱۱۱)

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اس حدیث کو نقل کرکے مذکورہ کلام نقل کیا اور لکھا کہ جوزقانی نے اس کو اباطیل میں نقل کیا اور ابن الجوزی نے موضوعات میں اور کہا کہ موضوع ہے اور اس کی سند تاریک ہے۔ (مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ صفحہ ۲۱۳، تحفہ جلد ۲، صفحہ ۵۴)

---

[1] یہ کتاب میں نے مدینہ منورہ میں دیکھی اور یہ حدیث وہیں سے نقل کی ہے۔ ۱۲ منہ

شعبان کے روزے ثابت اور سنت ہیں

ہاں ماہِ شعبان میں روزہ رکھنا کسی دن کی تخصیص کے بغیر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ شعبان میں روزے کثرت سے رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی مہینہ میں پورے مہینہ کا روزہ رکھا اور شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں آپؐ کو روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (بخاری جلد ۱، صفحہ ۲۶۴)

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے لیکن اس کا مطلب مشہور محدث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ مہینہ کے اکثر حصّہ میں روزہ رکھتے تھے۔ عرب کے لوگ اکثر مہینہ میں روزہ رکھتے تو کہہ دیتے کہ پورے مہینے روزہ رکھا۔

(ترمذی صفحہ ۱۵۵)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے نہیں رکھے۔ اس لئے شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنا بے شک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہوگا۔ البتہ اگر ضعف کا خطرہ ہو تو آدھے شعبان کے بعد روزے نہ رکھے جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدھا شعبان رہ جائے تو روزہ مت رکھو۔ (ترمذی ۱۵۵)

امام طحاویؒ نے اس نہی کو شفقت کی نہی قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ جس کو ضعف لاحق ہو جاتا ہو اس کو ہم یہی کہیں گے آدھے شعبان کے بعد روزے نہ رکھے تاکہ رمضان کے روزے جو فرض ہیں ان کو اچھی طرح رکھ سکے۔ (شرح معانی الآثار جلد ۱، صفحہ ۲۸۹)

اسی طرح رمضان کے خیال سے اس سے ایک دو روز قبل بھی روزہ نہ رکھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ ہاں کسی کو مہینہ کے آخر میں روزہ رکھنے کی عادت ہو یا ہفتہ کے خاص دنوں میں اور وہ شعبان کے آخر میں آگئے تو شعبان کے آخر میں رکھ سکتا ہے۔

اس لئے کہ یہ روزہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے نہیں ہے۔ (بخاری شریف جلد ۱، صفحہ ۲۵۶)

اسی طرح شک کے دن میں بھی عام لوگوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ دوپہر کے قریب تک انتظار کرنا چاہیے، چاند کی خبر نہ آئے تو کھانا پینا چاہیے۔ ہاں خاص لوگ جیسے علماء اور مفتیانِ کرام نفل کی نیت سے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ (درمختار مع الشامی جلد ۲، صفحہ ۸۹ نعمانیہ)

نوٹ:۔ شک کا دن تیسویں شعبان کو کہتے ہیں جبکہ اس سے پہلی رات میں بدلی وغیرہ کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہ آیا ہو۔

شبِ براءت اور قرآن کریم

کیا قرآن کریم میں شبِ براءت کا ذکر ہے؟ صحیح قول کے مطابق اس کا جواب نفی میں ہے، یعنی قرآن کریم میں شبِ براءت کا ذکر نہیں۔

سورۂ دُخان میں ارشادِ خداوندی ہے۔ ہم نے اس کتاب کو مبارک رات میں نازل کیا بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری طرف سے فیصلہ کر کے صادر کیا جاتا ہے۔ (آیت ۳:۵)

اس میں مبارک رات سے مراد شبِ قدر ہے جو رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس کو مبارک اس لئے فرمایا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیر و برکات نازل ہوتی ہیں۔ اور قرآنِ کریم کا شبِ قدر میں نازل ہونا سورۂ قدر میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی قرآن میں صاف مذکور ہے کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن (لوحِ محفوظ سے قریبی آسمان پر) نازل ہوا۔ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۳ آیت ۱۸۵) اس لئے آیتِ دخان کا مطلب یہ ہے کہ شبِ قدر میں سال بھر کی موت و رزق کی تفصیل لوحِ محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کو دے دی جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

یہی بات جمہور مفسرین سے مروی ہے، جن میں ابن عباس، قتادہ، مجاہد، حسن بصری وغیرہ

شامل ہیں۔ یہی قول جیسا کہ امام نووی نے فرمایا ہے صحیح ہے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے اس رات سے مراد شبِ براءت کو لیا ہے جیسا کہ عکرمہ سے مروی ہے وہ مقصود سے دور چلا گیا۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ رمضان میں نازل ہوا۔ (ابن کثیر سورۂ دخان و معارف السنن جلد ۵، صفحہ ۴۲۰ مولانا یوسف بنوریؒ و معارف القرآن مفتی شفیع دیوبندی جلد ۷، صفحہ ۷۵۷ و شبِ براءت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۷)

ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عثمان بن محمد سے جو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (شعبان سے شعبان تک عمروں کے فیصلے کردیے جاتے ہیں۔ آدمی شادی کرتا ہے اور اس کے بچہ ہوتا ہے لیکن اس کا نام مردوں کی فہرست میں درج کردیا جاتا ہے) یہ روایت مرسل ہے اس کو نصوص کے مقابلہ میں نہیں پیش کرسکتے۔

قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد روایت نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں، بلکہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں کوئی قابلِ اعتماد حدیث نہیں آئی۔

(معارف القرآن جلد ۷، صفحہ ۷۵۸)

شبِ براءت کی فضیلت چونکہ متعدد ضعیف روایتوں میں آئی ہے اور اس کے معارض کوئی آیت یا کوئی حدیث نہیں اس لئے اس کی فضیلت تو تسلیم کی جائے گی لیکن شبِ براءت میں رزق اور موت کے فیصلہ کی بات قرآن کے معارض ہے اس لئے یہ مقبول نہیں ہوگی۔ اسی لئے محققین برابر اس کی تردید کرتے رہے ہیں۔ اس مسئلہ میں واعظین کی بات کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ مفسرین اور محدثین کا اعتبار ہوگا۔

ابن عباسؓ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے کہ رزق اور موت وحیات وغیرہ کے فیصلے شبِ براءت میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالہ کیے جاتے ہیں۔ (روح المعانی جلد ۲۵، صفحہ ۱۱۳) لیکن اس روایت کی سند معلوم نہیں اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مشکوٰۃ میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیہقی کی الدعوات الکبیر کے حوالہ

سے مذکور ہے اس میں شبِ براءت میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے لکھے جانے اور اعمال پیش ہونے اور رزق نازل ہونے کا مضمون مذکور ہے، مگر اس حدیث کا حال معلوم نہیں محدثین ومفسرین کے یہاں اس کا اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

شبِ براءت کے منکرات اور بدعات

اس موقع پر امت میں بہت سے بے بنیاد اعتقادات اور افعال رائج ہیں جو ناجائز اور بدعت ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) آگ سے کھیلنا اور روشنی زیادہ کرنا، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ماثبت بالسنۃ' میں لکھتے ہیں۔ ایک بُری بدعت جو ہندوستان کے اکثر شہروں میں رائج ہے یہ ہے کہ لوگ چراغ روشن کرتے ہیں، اور گھروں کی دیواروں پر رکھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ نیز جمع ہو کر آگ کے ساتھ لہو ولعب کرتے ہیں، پٹاخے پھوڑتے ہیں، یہ ایسی بات ہے جس کا ذکر کسی بھی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث ضعیف اور موضوع بھی نہیں ہے۔ اور ہندوستان کے سوا کہیں اس کا رواج نہیں۔ نہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں، نہ عجم کے دوسرے شہروں میں۔

غالباً یہ بدعت ہندوؤں کے تہوار دیوالی سے ہندوستان کے مسلمانوں نے لی ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت سی بدعتیں آ گئی ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ صفحہ ۲۱۵) حدیث میں آیا ہے کہ جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

(ابوداؤد صفحہ ۵۵۹)

اس لئے مسلمانوں کو اس سے بالکل احتراز کرنا چاہئے اس میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا بالکل حرام ہے۔ بچوں کے ہاتھ میں اس کے لئے جو پیسہ دیا جائے گا اس کا سخت گناہ ہوگا۔ شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ خاص راتوں میں زیادہ روشنی کرنا بہت بُری بدعت

ہے، شریعت میں اس کے مستحب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ علی بن ابراہیم نے فرمایا یہ بدعت برامکہ نے ایجاد کی۔ یہ لوگ مجوسی تھے۔ آگ کی عبادت کرتے تھے، جب مسلمان ہوئے تو اس طرح کی باتیں اسلام میں داخل کیں گویا یہ سنت ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرتے وقت آگ کی عبادت کریں۔ پھر ائمہ مساجد نے اس رسم کو صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کے ساتھ شامل کرکے عوام کی بھیڑ جمع کرنے اور اپنی سرداری اور بڑائی ظاہر کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔ آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں ائمہ ہدیٰ نے اس طرح کے منکرات کو ختم کرنے کی کوشش کی اور مصروشام سے یہ منکرات ختم ہوگئے۔ (ماثبت بالسنۃ صفحہ ۲۱۶)

غور کرنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تو شبِ براءت میں بھی چراغ نہیں تھا جیسا کہ گذشتہ روایات سے ظاہر ہے۔ اور آپؐ کے امتی اور آپؐ کی محبت کا دم بھرنے والے چراغ زیادہ کرنے میں ثواب سمجھیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔

(۲) حلوے کی رسم۔ بعض لوگ حلوا پکانے کو ضروری سمجھتے ہیں، اس کے بغیر ان کی شبِ براءت ہی نہیں ہوتی یہ بالکل بے اصل اور غلط رسم ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب دندانِ مبارک شہید ہوا تو حلوا نوش فرمایا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس دن شہید ہوئے تھے یہ ان کی فاتحہ ہے۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے۔ اس کا اعتقاد رکھنا بالکل جائز نہیں۔ بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں اس لئے کہ احد کا واقعہ شوال میں پیش آیا نہ کہ شعبان میں۔

(۳) بعض یہ کہتے ہیں کہ شبِ براءت میں مُردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ ہمارے لئے کچھ پکا ہے یا نہیں۔ یہ بالکل بے اصل ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شبِ براءت سے پہلے کوئی مرتا ہے تو جب تک شبِ براءت میں اس کا فاتحہ نہ ہو وہ مُردوں میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ بھی لغو اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے۔

(۴) بعض لوگ اس موقعہ پر برتنوں کا بدلنا، گھر کو رنگ وروغن کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔

اس طرح بہت سا کھانا غریبوں کے یہاں پہنچ کر ضائع ہوتا ہے۔ اس رات میں اس خاص عمل کا کوئی ذکر نہیں۔ بغیر التزام کے کوئی بھی عبادت کی جاسکتی ہے۔ لیکن کسی خاص عبادت کا التزام صحیح نہیں، اس لئے اُس دن اِس رواج کو بھی ترک کرنا چاہئے اور صدقہ وخیرات کے لئے اس رات کی کوئی خصوصیت نہیں سمجھنی چاہئے۔ (فتاویٰ امدادیہ جلد ۴، صفحہ ۲۷، پر مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ)

ایک تنبیہ

بعض لوگ بیانات میں یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا اور رمضان میری امت کا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (اخبار موضوعہ ملا علی قاری صفحہ ۳۲۹)

اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
وصلی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقِه محمد واله وصحبه وامته اجمعین
والحمد لِلّٰهِ اولاً وَآخِراً۔

فضل الرحمٰن اعظمی

۲۶ رجمادی الثانی ۱۴۱۳ھ

مطابق ۲۱ ردسمبر ۱۹۹۲ء

پندرہویں شعبان کے روزے کے بارے میں

☆میرے مؤقف کی سرگذشت☆

ازفضل الرحمٰن اعظمی (آزادول)

اس روزے کو میں بھی بچپن سے سُنّت سمجھتا تھا۔ اگرچہ ہندوستان میں کبھی الترغیب والترہیب کے بعض نسخوں میں ابن ماجہ کی حدیث کے بارے میں حاشیہ میں یہ پڑھا تھا متفق علیٰ ضعفہ وقیل موضُوعٌ۔

مگر اس طرف ذہن نہیں گیا کہ پھر یہ روزہ سُنت کیوں ہوگا؟ افریقہ آکر اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق ہوا۔ الترغیب والترہیب کے مقدمہ میں حافظ مُنذری نے یہ لکھا ہے کہ کسی حدیث کو اگر میں رُوِیَ سے شروع کروں اور اس کے آخر میں کوئی تبصرہ بھی نہ کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف یا بہت ضعیف یا منکر ہے۔

یہ حدیث اتفاق سے ایسی ہی ہے پھر "الاجوبة الفاضلة" ازمولانا عبدالحئی لکھنویؒ اور"تدریب الراوی" وغیرہ میں بھی یہ پڑھا کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا ضُعف شدید نہ ہو اور اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔ یہی بات دُرِ مختار اور شامی میں بھی پڑھی تو خیال ہوا کہ دیکھا جائے کہ یہ حدیث کیوں ضعیف ہے۔

تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے اس پر سخت جرحیں ہیں حتیٰ کہ وضعِ حدیث کا بھی الزام ہے اور ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں اس کی یہی حدیث ذکر کی ہے اور امام ذہبیؒ کی یہ عادت ہے کہ ضعیف راوی کی منکر حدیث اس کے تذکرے میں ذکر کرتے ہیں۔

پھر اس کی تلاش ہوئی کہ اس حدیث کا کوئی متابع یا شاہد بھی ہے کہ نہیں؟ تلاش کے بعد بھی کچھ نہ مل سکا۔ تو ایک شاگرد سے ایک استفتاء مرتب کرایا اور ہندو پاک کے بہت سے

"دارالافتاؤں" میں بھجوایا اس میں مذکورہ بالا باتیں حوالہ کے ساتھ لکھوائیں اور پوچھا گیا کہ اگر کوئی تائید حاصل نہیں تو اس روزہ کو سُنّت کیوں مانیں؟ کہیں سے کوئی قابلِ اطمینان جواب نہیں ملا۔ صرف مدرسہ امینیہ دہلی سے جواب ملا۔ اس میں اسی حدیث کو مختلف کتابوں سے نقل کردیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے شبِ براءت سے متعلق اپنی ایک کتاب میں اس روزہ کو سنّت لکھا ہے۔ اسی طرح بعض اور ہندوستانی بزرگوں کے کلام میں اس کا سُنّت ہونا پڑھا۔ لوگوں میں مشہور بھی بہت ہے، تو بعض شاگردوں نے مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، کو خط لکھا اور یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے "البلاغ" میں اس کو مستحب لکھا اور وجہ یہ بتائی کہ بزرگوں کے تعامل سے اس کی تائید ہوتی ہے اور سنت سے مستحب پر آگئے۔

پھر پوچھا گیا کہ بزرگوں سے مراد صحابہ اور تابعین ہیں یا ہندوستان کے ماضی قریب کے بزرگانِ دین؟ خود بھی تلاش کرتا رہا۔ فقہ کی کتابوں میں بھی تلاش کیا۔ لیکن کہیں اس روزہ کا ذکر نہیں ملا۔ تو یہ سمجھ میں آیا کہ ہندوستان میں مشکوٰۃ شریف پڑھانے کا عام رواج ہے، اس میں یہ حدیث ابن ماجہ کے حوالہ سے مذکور ہے۔ اسی کی وجہ سے ہندوستانی علماء اس کو سنت سمجھتے ہیں اور اگر یہ حدیث معتبر ہوتی تو یہ سمجھنا صحیح بھی تھا۔ مشکوٰۃ کے سبق میں عام طور سے حدیث کی حیثیت پر بحث نہیں ہوتی صرف بعض احکام کی حدیثوں پر ہوتی ہے، وہ بھی اخلاقی مسائل میں۔ ہر حدیث کی نہ سند معلوم کی جاتی ہے نہ اس کے رواۃ سے بحث ہوتی ہے حتیٰ کہ مرقاۃ اور التعلیق الصبیح وغیرہ میں بھی یہ تفصیل نہیں ہے۔ مشکوٰۃ شریف سے مقصود متنِ حدیث کو حل کرنا ہوتا ہے تاکہ دورۂ حدیث میں سہولت ہو۔ اس لئے اس حدیث کو بظاہر معتبر سمجھ کر اس کو سنت سمجھ لیا گیا۔ صحابہؓ اور تابعین میں بظاہر اس روزہ کا رواج نہیں تھا۔

کُتبِ فقہ میں نہ ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی اس کی سنیت معروف نہ تھی۔ علامہ ابن تیمیہؒ کا قول بعض کتابوں میں دیکھا کہ اس روزہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ فاما صوم یوم النصف مفرداً فلا أصل لهُ بل اِفرادُهٗ مکروهٌ۔

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ صفحہ ۳۰۲)

کچھ مدّت کے بعد رجب ۱۴۱۷ھ کے البلاغ اردو میں مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے یہ لکھا کہ پورے ذخیرۂ حدیث میں صرف یہی ایک حدیث ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لئے خاص اس روزہ کو سُنّت یا مستحب کہنا بعض علماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ (اھ صفحہ ۴۳)

بعض علماء سے کون مراد ہیں معلوم نہیں ہوا۔ لیکن مولانا نے اسی پر اکتفا کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مولانا کی رائے یہی ہے۔ باوجودیکہ ان کے والد صاحب سنت لکھ گئے ہیں لیکن حقیقت پسند سنجیدہ علماء ایسے ہی ہوتے ہیں ان میں شخصیت پرستی نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے سامنے یہ تفصیلات آتیں تو وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے۔ علماء حق ہمیشہ حق ظاہر ہونے کے بعد حق کا ساتھ دیتے ہیں ضد نہیں پکڑتے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی تحقیق ان کے خلوص وللہیّت کا پتہ دیتی ہے۔

ان ہی کے ادارہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس روزہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ابن ابی سبرہ پر جو سخت جرحیں ہیں ان کو مبہم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ہم نے اس کا جواب لکھ دیا ہے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی اس کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا اس لئے حدیث کا ضعف بتصریح تحریر فرمایا۔

ہمارے استاذ علاّمہ کبیر محدّثِ جلیل کی بھی ایک تحریر شائع ہوئی ہے۔ انہوں نے بھی اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (الماٰثر شوال تا ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ صفحہ ۷۰)

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث صرف ضعیف نہیں۔ شدید ضعیف ہے۔ اور دونوں میں فرق ہے جیسا کہ اصولِ حدیث کی کتابوں اور دُرِّ مُختار سے ظاہر ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

مجھ کو بھی ایک مولوی صاحب انگلینڈ میں ایسے ملے۔ ایک مسجد میں، میں لوگوں کو مفتی تقی عثمانی مدظلہ کا مضمون البلاغ سے سنانے لگا تو ان مولوی صاحب نے فرمایا۔ مدت سے ہمارے یہاں اس پر عمل ہوتا ہے یہ مضمون مت سنایئے۔ میں نے کہا میں تو سُناؤں گا۔ مفتی صاحب ہمارے طبقہ کے معتبر مُحقق عالم اور مفتی ہیں۔ اہل اللہ سے ان کا ہمیشہ تعلق رہا ہے۔ کیوں آپ مجھے

روکتے ہیں؟ انہوں نے کہا ضعیف حدیث پر عمل ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا بے شک ہوسکتا ہے کون عمل سے روکتا ہے۔ روزہ اچھا عمل ہے، روزہ رکھئے۔ سوال صرف یہ ہے کہ سُنّت سمجھیں یا نہ سمجھیں؟ میں نے خود لکھا ہے کہ نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں۔ مفتی صاحب بھی یہ لکھتے ہیں کہ سنت نہ سمجھیں۔ روزہ رکھنے سے منع نہیں کرتے۔

میں نے کہا آپ کو نہ سننا ہو تو چلے جایئے۔ مت سُنئے میں تو سُناؤں گا۔ چنانچہ میں نے سنایا۔ لوگوں نے سُنا۔ وہ مولوی صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔

مجھ کو میرے دو شاگردوں نے بتایا کہ ہم نے ہندوستان میں حضرت مولانا یونس صاحب جونپوری مدظلہٗ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور جانشین حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے اس روزہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ یہ میرے نزدیک سُنت نہیں ہے۔

الحمد اللہ! مجھے ان اکابر علماء کی تائید سے دن بدن انشراح میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اختلاف سے ڈرنے والے ڈریں۔ میں تو نہیں ڈرتا۔ ہمارے اکابر نے کتنی ایسی چیزوں کی تردید کی ہے جو لوگوں میں مشہور ہیں اور اب تک جاری ہیں اور عبادت کے قبیل سے ہیں، نمازیں بھی ہیں، روزے بھی ہیں، دُعائیں بھی ہیں، اذکار بھی ہیں، لیکن حدیث سے ثبوت نہیں- اس لئے لکھ دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

مطلب یہی ہے کہ اس کو شریعت اور سُنت نہ سمجھیں ہاں کوئی نیک عمل آدمی اپنی طرف سے کرنا چاہے اور تطوّع سمجھے تو کر سکتا ہے لیکن سُنّت کہنا خطرناک ہے اس میں احتیاط ضروری ہے۔ جو بات یا کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس کو آپ ؐ کی طرف منسوب کرنا (اور سنت کہنے کا یہی مطلب ہوتا ہے) دین میں اضافہ کرنا ہے۔ اور ایسا کرنے والے پر.... مـــن کذب علی متعمداً فلیتبوّأ مقعدہٗ مِن النّار کے صادق آنے کا خطرہ ہے العیاذ باللہ!

محدثینؒ نے دین کو اضافہ اور تحریف سے بچانے ہی کے لئے رِجال پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کیا قیامت کے دن ہم آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف بنیں؟ **نعوذ باللہ من ذالك۔ (قالہٗ یحییٰ بن سعید القطان کما فی شرح علل الترمذی للمبار کبوری** جلد ۴، صفحہ ۳۸۶)

ہم نے اپنی کتاب میں جو اعلان کیا ہے کہ پندرہویں شعبان کے روزے کا سنت ہونا ثابت نہیں وہ اسی جذبہ سے کیا ہے اور اس پر قائم ہیں

أحِبُّ الصالحين ولستُ مِنهم؛ لعل الله يرزقني صلاحا

وما ذلك على الله بعزيز۔ ربِّ توفّني مُسلماً وألحِقني بالصّالحِين وآخِر دعوانا ان الحمد الله ربّ العالمين۔ جمعہ کیم ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹ر مارچ ۱۹۹۹ء

پندرہ شعبان کا روزہ

(البلاغ جمادی الثانی ررجب ۱۴۱۷ھ)

ایک مسئلہ شبِ براءت کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ سارے ذخیرۂ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شبِ براءت کے بعد والے دن روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ۲۷ رشعبان تک روزے رکھنے کی فضیلت ثابت ہے۔

ابوبکر بن ابی سبرہ پر تفصیلی کلام

ابن ماجہ کی روایت میں یہ راوی متفق علیہ ضعیف ہے۔ اس پر بڑی سخت سخت جرحیں

ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۴، صفحہ ۵۰۳ میں، ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۱۲، صفحہ ۲۷ میں، نیز تقریب التہذیب صفحہ ۳۹۵ میں اس کے ضعف کو بیان کیا۔ امام احمد کی کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں جلد ۱، صفحہ ۲۰۴ پر اس کا ذکر ہے۔ دار قطنی نے اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین میں اس کو ذکر کیا ہے (صفحہ ۱۸۴)۔ ابن حبّان نے کتاب المجروحین میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (جلد ۳، صفحہ ۱۴۷) اسی طرح رجال کی اور کُتب میں بھی اس پر کی گئی جرحوں کا ذکر ہے۔

تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہم درج کرتے ہیں واقدی نے کہا کہ اس کے پاس بہت سی حدیثیں تھیں مگر یہ حجت نہیں، امام احمدؒ نے فرمایا۔ کچھ نہیں ہے۔ حدیثیں وضع کرتا تھا اور جھوٹ بولتا تھا۔

یحییٰ بن معین نے کہا اس کی حدیث کچھ نہیں ہے، کبھی کہا ضعیف ہے۔ ابن المدینی نے کہا حدیث میں ضعف ہے۔ کبھی کہا منکر الحدیث ہے۔

جوزجانی نے کہا اس کی حدیث کی تضعیف کی جاتی ہے۔ بُخاری نے کہا ضعیف ہے اور کبھی کہا منکر الحدیث ہے۔ امام نسائی نے کہا متروک الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی عام روایتیں غیر محفوظ ہیں اور وہ واضعینِ حدیث میں سے ہے۔ ابنِ حبان نے کہا موضوعات ثقہ راویوں سے ذکر کرتا ہے اس سے احتجاج صحیح نہیں، حاکم نے بھی کہا ثقہ لوگوں سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ (تہذیب جلد ۱۲، صفحہ ۲۷-۲۸)

ان جرحوں میں یضع الحدیث اور یکذب ایسی مفسر جرحیں ہیں کہ ان کے بعد راوی سے نہ استدلال ہے نہ استشہاد نہ اعتبار یہی حال متروک الحدیث کا بھی ہے۔ (الرفع والتکمیل صفحہ ۱۵۲ تا ۱۵۳ بتعلیق عبدالفتاح ابوغدہ) اور بخاری کی جرح منکر الحدیث بھی ایسی ہی جرح ہے۔
(ایضاً صفحہ ۲۰۸)

جو ان جرحوں کو مبہم کہتا ہے وہ اپنے علم کو اہل علم کے سامنے رسوا کرتا ہے۔ وضعِ حدیث اور کذب یہ سب سے سخت قسم کی جرح ہے اور اس میں طعن کا سبب مذکور ہے۔ اور لُطف یہ ہے کہ ابن ابی سبرۃ کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی۔ ہاں بے شک ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مفتی

اور قاضی بھی تھے۔ لیکن یہ تعدیل نہیں ہے۔ کتنے قاضی اور مفتی ہیں جیسے ابن لہیعہ اور محمد بن ابی لیلیٰ وغیرہما۔ جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں۔ دارقطنی، ابن حبان، حاکم کو معلوم ہے کہ یہ قاضی تھے لیکن پھر بھی تضعیف کر رہے ہیں۔ یہ توثیق بھی ہو تو جرحِ مفسر کے بعد یہ توثیق کیا کام دے گی، تعجب ہوتا ہے اگر وضعِ حدیث اور کذب، جرحِ مفسر نہیں تو دنیا میں کون سی جرح مفسر ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ ذہبی نے بھی ان میں سے کئی جرحوں کو ذکر کیا ہے۔ ان میں وہ حدیثِ ابن ماجہ بھی ہے جس میں روزے کا ذکر ہے۔ ایسی حدیث سے سُنّیت کا اثبات کس طرح ممکن ہے!

....

الشروط للعمل على الحديث الضعيف كما في تدريب الراوي

تنبیہ :

لم يذكر ابن الصلاح والمصنف هنا وفي سائر كتبه لما ذكر سوى هذا الشرط وهو كونه في الفضائل ونحوها وذكر شيخ الاسلام له ثلاثة شروط:

أحدها: أن يكون الضعيف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائي الاتفاق عليه

الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به

الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط

(تدريب الراوي ج ۱ ص ۲۹۸، ۲۹۹)

مولف مدظلہ کے مختصر حالات

ولادت و تعلیم :

ولادت ۱۳۶۶ھ کو مئو میں ہوئی۔ ابتدا سے اخیر تک تعلیم مئو ہی میں ہوئی اور ۱۳۸۶ھ میں مفتاح العلوم مئو سے فراغت حاصل کی، بعد فراغت مختلف کتابیں پڑھیں قرأۃ سبعہ بھی، محدثِ کبیر مولانا حبیبُ الرحمٰن اعظمیؒ کی خدمت میں رہ کر فتاویٰ کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور افتاء کی مشق کی۔ مشہور اساتذہ میں محدث اعظمیؒ، مولانا عبداللطیف نعمانیؒ اور مولانا عبدالرشیدؒ وغیرہم ہیں۔

تدریس و خدمات :

تین چار سال کے بعد مظہرالعلوم بنارس میں تدریس شروع کی، مختلف کتابیں پڑھائیں جن میں مشکوٰۃ و ترمذی بھی ہیں۔ وہاں فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی، چار سال وہاں قیام رہا۔

پھر ۱۳۹۴ھ میں جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں اکثر درسیات زیرِ تدریس رہیں، اخیر میں مشکوٰۃ، جلالین، طحاوی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ بھی پڑھائیں۔ وہیں تاریخِ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل بھی مرتب فرمائی جو طبع ہو چکی ہے۔ ۱۴۰۳ھ میں سبعہ عشرہ بھی پڑھائی اور مقدمہ عِلم قرأت بھی مرتب فرمایا۔ جس میں قراءِ عشرہ اور ان کے رواۃ کا تذکرہ بھی ہے۔

۱۴۰۶ھ میں مدرسہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ تشریف لائے۔ ۱۴۰۸ھ سے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور بفضل اللہ مختلف کتابیں بخاری، ترمذی اور طحاوی زیرِ تدریس رہتی ہیں۔

کئی کتابیں اور رسائل بھی آپ نے تالیف فرمائے۔ جو اب طبع ہو رہے ہیں۔ بحمد اللہ تبلیغی خدمات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، مختلف بلاد اور مقامات کے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے انگلینڈ، ہولینڈ، فرانس، استنبول، موریشش، ری یونین اور افریقہ کے دیگر ممالک، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بار بار مشرف ہو رہے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم محمد اختر

صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی مدظلہٗ) کے خلیفہ بھی ہیں، بفضلِ رحمانی دین کے اکثر شعبوں میں محنت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ علم وعمل اور عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

عتیق الرحمٰن الاعظمی